



غریب

طلوع ہونے والا آفتاب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس المنظر پارٹنرس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد میلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰



صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس ۶۰۹ کراچی



صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس ۶۰۹ کراچی

SIDDIQI TRUST

P.O. Box-609 Karachi-74800 (Pakistan)
Tel : 7224291-7224292 Fax : 7736400-7228823

غارِ حرا سے

طلوع ہونے والا آفتاب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

میں جبلِ نور پر چڑھا اور اس کے غار پر، جو ”غارِ حرا“ کے نام سے مشہور ہے جاکھڑا ہوا یہاں پہنچ کر میں نے اپنے دل میں کہا، یہی جگہ ہے جہاں خداوند کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کا شرف عطا فرمایا اور پہلی مرتبہ وحی نازل فرمائی، پس (یہ کہنا حق ہے کہ) یہیں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور سایا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی، یہ عالم ہر دن ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر نہ اس صبح میں نیاپن ہوتا ہے نہ کوئی ندرت اور نہ ہر صبح صبح سعادت، ان صبحوں کی آمد سے انسان توجاگ جاتے ہیں مگر دلوں کی نیند کو ذرا فرق نہیں آتا اور روجوں کی بستی یونہی خواب غفلت میں پڑی رہتی ہے۔ کیا شمار ہے ایسے تاریک دنوں کا اور ایسی جھوٹی صبحوں کا۔ البتہ اس غار سے حقیقی معنی میں صبح نمودار ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو چمکایا اور اس کی آمد نے ہر شے کو جگایا اور اسی صبح سے تاریخ کا رخ حرا اور زمانہ کا رنگ بدلا۔

اس صبح سے پہلے انسانی زندگی کا فطری براؤ رکا ہوا تھا اور اس کے

ہر دروازے پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ کوپا چند مقفل دروازوں اور بند تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔ عقل پر قفل چڑھے ہوئے تھے جن کو کھولنے سے حکماء اور فلاسفہ عاجز تھے ضمیر انسانی مقفل تھا جس کو آزادی دلانے میں داعی عظیمین اور مصلحین عاجز تھے۔ قلوب انسانی مقفل تھے جن کے قفل توڑنے میں قدرت کی نشانیاں اور زمانہ کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحیتیں مقفل تھیں جن کو بروئے کار لانے سے تعلیم و تربیت کا نظام اور ماحول اور سوسائٹی کے اثرات قاصر تھے، درگاہوں کا وجود لاحقہ تھا جن کو کار آمد اور نتیجہ خیز بنانے میں اہل علم اور اہل درس بے بس تھے عدالتیں کھلی ہونے کے باوجود مقفل تھیں جن سے انصاف حاصل کرنے کیلئے مظلوموں اور محکوموں کی فریادیں بے اثر تھیں، خاندانی مسائل اچھے ہوئے تھے جن کو سلجھانے سے مصلحین مفکرین عاجز تھے۔ قصرہائے سلطنت مقفل تھے جن میں راہ پانے سے محنت کش کسان، پلے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھے، دولت مندوں اور امیروں کے خزانے مقفل تھے جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک ان کی عورتوں کی برہنگی اور ان کے دودھ پیتے بچوں کی گریہ وزاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے مصلحین عزائم کے ساتھ میدان میں آئے بڑے بڑے قانون ساز کمربستہ ہوئے لیکن ان بے شمار قفلوں میں سے کوئی ایک قفل بھی کھولنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس لئے کہ ان کے تالوں کی اصل کنجی ان کے ہاتھ میں نہ تھی وہ کنجی گم ہو چکی تھی اور تالا بغیر اپنی کنجی کے کبھی کھل نہیں سکتا۔ انہوں نے اپنی بنائی ہوئی کنجیوں سے کام لینا چاہا لیکن وہ ان

تالوں کو نہ لگیں اور ایک تالا بھی نہ کھول سکیں اور بعض نے ان تالوں کو کھولنے کی بجائے توڑنے کی کوشش کی مگر اگلے اس کوشش میں ان کے اوزار ٹوٹ گئے اور ہاتھ بھی زخمی ہو گئے۔

ایسے وقت میں متمدن دنیا سے الگ تھلک ایک چھوٹے سے پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِ حرا) میں دنیا کا وہ عقدہ لائیکل حل ہوا جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راجدھانیوں میں حل ہو سکا، نہ عظیم الشان درسگاہوں میں حل ہو سکا۔ یہاں پروردگار عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گمشدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے ایمان اللہ پر، اس کے رسول پر اور یوم آخرت پر اس کنجی سے آپ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کے دروازے چوہٹ کھل گئے۔ آپ نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر رکھا تو اس کی ساری گرہیں گھل گئیں، اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ و خم دور ہو گئے اسے نشاطِ فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے، اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پاسکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک و بت پرستی اور اوبام و خرافات کی لغویت کو محسوس کر سکے، حالانکہ اس سے پیشتر یہ عقل ان باتوں میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی اور صدیوں سے اپنے منصب سے معزول تھی۔ اس کنجی

سے آپ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور و احساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی۔ ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفسِ انسانی جو صدیوں سے نفسِ امارہ بنا ہوا تھا۔ اب وہی نفسِ نفسِ لواہ میں تبدیل ہوا اور نفسِ لواہ دیکھتے ہی دیکھتے نفسِ مطمئنہ بن گیا۔ جس کے بعد اس میں کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کیلئے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گناہ گار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر از خود اپنے گناہ کا اقرار کر کے اپنے لئے سخت سزا کی درخواست کرتا ہے۔ ایک گناہ گار عورت اپنے لئے سنگساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔ حضورؐ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو موخر فرماتے ہیں وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کیلئے سی آئی ڈی متعین ہے نہ مجرمہ کو وقت پر دوبارہ حاضر کرنے کیلئے پولیس متعین ہے لیکن وہ وقت پر مدینہ پہنچتی ہے اور خود کو سزا کیلئے بخوشی و اصرار پیش کرتی ہے جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے یعنی --- سنگساری۔

فتحِ ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسری کا تاج زریں آتا ہے وہ اس کو کپڑوں میں چھپا کر خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ اوائے امانت تو ہو لیکن امانتداری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقتل پڑے ہوئے تھے کہ ان میں عبرت پذیری تھی نہ خوفِ خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی، یہ کنجی جب ان کے دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی۔ اب وہ خدا کے خوف سے

ہر دم لرزاں و ترساں تھے، حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔
انفس و آفاق میں پکھلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کیلئے نفع بخش تھا۔
مظلوموں کا حال ڈار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور غریبوں مسکینوں کے ساتھ
نفرت و حقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے اسی
طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطری صلاحیتوں اور قوتوں کو
چھوا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور
سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑی اور صحیح رخ پر لگ گئیں جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی
گلد بانی میں ضائع ہو رہے تھے وہ اب بہترین طور سے قوموں کی نگہبانی اور عالم کی
فرمانروائی کی نازک ذمہ داریوں سے عمدہ برء ہونے لگے اور جو شخص کل تک
صرف کسی ایک قبیلے یا ایک شہر کا شہسوار شمار کیا جاتا تھا وہ اب بڑی بڑی
سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھے۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں
ازسرنو چہل پہل اور رونق پیدا کی حالانکہ علم کی کسادبازی اور معلمین کی
کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلمین کو دلچسپی رہی تھی اور نہ
متعلمین کو۔۔۔ آپ نے علم کی قدر و قیمت یاد دلائی، اہل علم کا مرتبہ بتلایا اور
علم دین کا باہمی تعلق سمجھایا۔ چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کیلئے داسے
درے قدمے سخی کوشاں ہو گئے، مسلمان کا ہر ہر گھر بجائے خود ایک مسجد و
مدرسہ بن گیا۔ ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن

گیا، کیونکہ ان کا دین خود طلب علم کیلئے سب سے بڑا محرک تھا۔
آپ نے اس کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا۔ اب ہر قانون دان
اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جاسکے اور
ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا انصاف شعار حاکم تھا اور یہ سچے مسلمان سب کے
سب محض اللہ کیلئے سچی شہادتیں دینے والے تھے، جب اللہ اور آخرت کے
حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوئی۔ بے
انصافیوں اور بد معاشریوں کم سے کم تر ہو گئیں اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے
ناپید ہو گئے۔ خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ باپ بیٹے کے
درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان چھین جھپٹ اور
کشاکش کا میدان گرم تھا۔ پھر یہ بیماری خاندانوں کے محدود میدان سے نکل
کر معاشرہ کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی۔ یہی کشاکش نوکر اور مالک
کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ حاکم اور رعیت کے تعلقات میں بھی برپا تھی،
بڑے اور چھوٹے کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق
کسی طرح نہ چھوٹنا چاہتا تھا اور دوسروں کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود
اگر کوئی چیز خریدتا تو ناپ تول میں ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر
رکھتا تھا لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ کچھ بیچتا تو کم سے کم ناپنے اور تولنے میں
پوری پوری مہارت ہم پہنچاتا۔

آپ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی
کنجی سے کیا۔ خاندان اور معاشرہ میں ایمان کا بیج بویا، لوگوں کو اللہ کی ناراضگی

سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا:

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا (اس طرح) کہ اس کا ایک جوڑا پیدا کیا اور دونوں کی (نسل) سے پھیلا دیئے بہت سے مرد اور عورتیں، اور، اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم مانگتے ہو اور قربتوں کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔“

آپؐ نے خاندان اور معاشرے کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں اسی طرح از سر نو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیاد پر قائم فرمایا اور معاشرہ کو بھی اعلیٰ درجہ کا عدل شعار بنایا۔ معاشرہ کے ہر ہر عضو میں امتداری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرہ کے امراء اور عہدیداران تک پر ہیزگاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے، قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے، والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں، اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے۔ اسی ایمان کی بدولت آپؐ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی، انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس کے تصرف میں اپنا نائب بنایا ہے۔

”اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا اور دو ان (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے

تمہیں دے رکھا ہے۔“

انہیں تجویروں میں بند کر کے رکھنے اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے یہ کہہ کر ڈرایا۔

”اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جبکہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور پشتیں داغی جائیں گی۔ لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا مال اب چکھو اس کا مزہ۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعے سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے اور لرزنے والا، امانت کا پاس کرنے والا دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا، اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا۔ وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لئے بنائی گئی ہے لیکن میں آخرت کیلئے پیدا کیا گیا ہوں پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایماندار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بھی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا۔ اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا۔ اگر کری عدالت پر بیٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار اور منصف جج ثابت ہوتا، اگر

صاحبِ سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا۔ اگر آقا ہوتا تو رحمِ دل اور منکسر المزاج ہوتا اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرمانبردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور بانیبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اسی بناء پر یہ سوسائٹی اور یہ حکومت ایک بڑے پیمانہ پر افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرہ میں جمع ہو گئی تھیں۔ اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کو شئی اس میں تھی۔ اس کے مزدور کی محنت کشی اور بھی خواہی اس میں تھی۔ اس کے جج کی فراست اور عدالت اس میں تھی۔ اس کے آقا کا انکسار اور رحمِ دلی اس میں تھی۔ اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی اس میں تھی اور اس کے خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی اس میں پوری پوری موجود تھی۔ اسلامی سوسائٹی جس طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی۔ اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی، عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور اصولوں پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق و عقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دلسوزی سے کوشش کرتی تھی۔ سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا یہ نتیجہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر گوشہ ایمان و عمل، صدق و خلوص، محنت و کوشش اور عدل

والنصف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔

غارِ حرا پر کھڑا کھڑا یہ تمام باتیں اپنے دل میں سوچ رہا تھا میں اپنے ان خیالات اور عمد رفتہ کی یاد میں اتنا غرق ہو گیا کہ تھوڑی دیر کیلئے اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ میرا تصور مجھے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے اڑا کر الگ لے گیا۔ میری نگاہوں میں اس عمد کی عمومی اسلامی زندگی کی تصویر پھرنے لگی۔ میں اس کا رخ جمال اور ایک ایک خط و خال دیکھنے لگا اور بالکل ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہی زندگی میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور میں اس کی روح نورِ فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں اسی عالم تصور میں مجھے اپنے زمانے کا خیال آیا جس کی فضاء میں واقعی مین سانس لیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آج بھی زندگی کی کامیابی اور خوشگوار کے دروازوں پر کچھ نئے قسم کے تالے پڑے نظر آرہے ہیں۔ مسائل میں پھیلاؤ اور ثروع کی کوئی حد نہیں اور اسی نسبت سے الجھاؤ اور پیچیدگیاں بھی بڑھ گئی ہیں تو کیا اس حالت میں بھی اس پرانی کنجی سے یہ نئے قفل کھل سکتے ہیں؟

یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر میں نے کہا کہ جب تک ان تالوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کے ان کی حقیقت نہ معلوم کروں مجھے کوئی جواب نہ دینا چاہئے۔ چنانچہ میں نے جو ان تالوں کو ہاتھ لگایا تو حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ تالے نئے نہیں ہیں وہی پرانے ہیں، صرف رنگ دروغن نیا ہے اور نہ یہ پیچیدگیاں اور الجھنیں ہی نئی ہیں۔ ان کی جڑ تو ہو ہو پرانی ہے۔ آج بھی اصل مسئلہ فرد کا مسئلہ ہے جو سارے دوسرے مسائل کا سرا ہے اور یہی

ہمیشہ انسانی زندگی کا اصل مسئلہ رہا ہے۔ کیونکہ فرد وہ اینٹ ہے جس سے سوسائٹی اور حکومت بنتی ہے اور اس کا حال آج یہ ہو گیا ہے کہ مادہ اور قوت کے سوا کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ اس دنیا کی قدر و قیمت اس کی نظر میں حقیقت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ لذت اور خواہشات کی بندگی حد سے گزر گئی ہے اور اپنے پروردگار سے، انبیاء کی رسالت سے اور عقیدہ آخرت سے رشتہ بالکل ٹوٹ چکا ہے۔ بس یہی فرد کا بگاڑ ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا سرچشمہ اور تہذیب کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرد اگر تجارت کرتا ہے تو لالچ اور ذخیرہ اندوزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ارزانی کے وقت مال روک لیتا ہے اور گرانی کے زمانے میں نکالتا ہے اور اس طرح لوگوں کی بھوک اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ یہ فرد اگر مفلس ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنی مفلسی کو دور کرنے کیلئے خود کچھ نہ کرے اور دوسروں کی محنتوں کا بھل مفت میں کھالے۔ اگر مزدوری کرتا ہے تو اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے لیکن مزدوری پوری لینا چاہتا ہے، اگر دولت مند ہوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا کنجوس اور سنگدل ہوتا ہے۔ اگر صاحب اقتدار ہوتا ہے تو لٹیرا اور بددیانت ہوتا ہے۔ اگر مالک ہوتا ہے تو ایک ظالم اور خود غرض مالک ثابت ہوتا ہے جو اپنے فائدے اور اپنے آرام کے سوا کچھ دیکھنا نہیں جانتا۔ اگر نوکر ہوتا ہے تو کام چور اور بے ایمان، اگر خزانچی بنا دیا جاتا ہے تو غبن کرتا ہے، اگر وزیر یا جمہوریہ کا صدر ہو جاتا ہے تو شکم پرور، روح سے بے خبر اور بندہ نفس ہوتا ہے جو صرف اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے فائدے

کو دیکھتا ہے۔ اگر لیڈر بن جاتا ہے تو بہت ہی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس قوم اور وطن کی حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا اور اپنے وطن اور قوم کی عزت بڑھانے کیلئے دوسری قوموں اور ملکوں کی عزت و آبرو خاک میں ملانے سے کسی وقت بھی گریز نہیں کرتا۔ اگر قانون سازی کا اختیار ہاتھ میں آجائے تو ظلم کے قانون اور بڑے بڑے ٹیکس مسلط کر دیتا ہے۔ اگر اس کے دماغ میں ایجاد و کشف کی صلاحیت ہوتی ہے تو ہلاکت برسانے والے اور تباہی پھیلانے والے آلات ایجاد کرنے لگتا ہے۔ زہریلی گیس ایجاد کرتا ہے جو نوع انسانی کو ہلاک کر دیں، بمبار طیارے اور ٹینک بناتا ہے جو بستیوں کو کھنڈر اور راکھ کا ڈھیر بنا ڈالیں۔ ایٹم بم بناتا ہے جس کی ہلاکت خیزیوں سے نہ انسان بچ سکتے ہیں نہ حیوان، نہ کھیت نہ باغات اور جب اس فرد کو ان ایجادات کے استعمال کرنے کی قوت بھی مل جاتی ہے تو بستیوں کی بستیاں اندھا دھند نشانے پر رکھ لیتا ہے اور ان کی آن میں زندوں کے شہر شہر خموشاں بنا ڈالتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اچھے افراد سے مرکب ہونے والا معاشرہ اور ان سے تیار ہونے والی حکومت ان افراد کی تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے تو بُرے افراد سے تیار ہونے والا معاشرہ اور حکومت دونوں لامحالہ ان تمام افراد کی تمام برائیوں اور بیماریوں کی حامل ہوگی۔ اس میں تاجروں کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی، نفع کا لالچ بھی ہوگا، تنگدستوں کی سرکشی بھی ہوگی۔ مزدوروں کی کم محنت اور زیادہ اجرت کی بُری عادت بھی ہوگی۔ دولت مند کی ہوس کے جراثیم بھی اسے اڑکھ لگیں گے۔ اپنے حکمران کی بدبختی اور عیاری بھی اس میں پھیلے گی،

مالکوں کا جو دستور بھی اس کی عادت میں داخل ہوگا۔ نوکر کی خیانت اور خازن کا غبن بھی اس میں سرایت کرے گا۔ وزراء کی نفع پرستی اور لیڈروں کی وطن پرستی بھی گل کھلائے گی، قانون سازوں کے اندھیر اور سانسد انوں کی بے راہ روی بھی اپنا جوہر دکھائے گی اور زرداروں کی سنگدلی بھی اس پورے معاشرہ اور حکومت میں رنگ لائے گی۔

یہ ہے وہ اصل مادہ فساد جس کے بطن سے وہ تمام بیماریاں، وہ تمام الجھنیں اور وہ تمام پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں جن سے انسانیت پریشان اور زار و زار ہے۔ اس مادہ فساد کا نام ہے مادہ پرستی کا ذوق یا مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے کا عقیدہ، بلیک مارکیٹنگ اسی کا قدرتی نتیجہ ہے، رشوت ستانی اسی کا ادنیٰ کرشمہ ہے، ہوشربا گرانی اور منگائی اسی کا ایک ٹکوفہ ہے۔ ذخیرہ اندوزی اسی کا عطیہ ہے۔ افراط زرا اسی کا ثمرہ ہے۔ آج کے مفکرین اور مقننین آج تک ان مشکلات کا کوئی کامیاب حل نہیں ڈھونڈ کر لاسکے۔ ایک مشکل کو حل کرتے ہیں تو دوسری مصیبت میں پھنس جاتے ہیں، ایک گرہ کھلتی ہے تو کئی نئی گرہیں لگ جاتی ہیں بلکہ اب تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کی عقدہ کشائی بجائے خود نئے نئے عقدوں کو جنم دے رہی ہے جیسے عطائی طبیب کے علاج سے صحت کی بجائے کچھ نئے نئے مرض اور پیدا ہو جائیں۔

یہ اس مریض پر روز نئے تجربے کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شخصی حکومت ان تمام امراض کا سبب ہے۔ لہذا اسے ختم کر کے جمہوری طرز

حکومت کی بنیاد ڈالی مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بعض نے پھر آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کو اختیار کیا۔ اس سے اور خرابیاں بڑھتی دیکھیں تو پھر جمہوریت کی طرف رجوع کیا، ایسے ہی کبھی نظام سرمایہ داری کو اختیار کیا۔ اس سے اور گرہیں بڑھیں تو کمیونزم اور سوشلزم کو اپنے درد کا درماں سمجھ لیا مگر معاملہ کی نوعیت ذرا نہ بدلی اور مشکلات جوں کی توں قائم یا پہلے سے کچھ دشوار ہو گئیں، کیوں.....؟

اس لئے کہ یہ ساری تبدیلیاں اور سارا رد و بدل اوپر اوپر ہوتا رہا اور مشکلات کی جوڑا اور بنیاد ہے یعنی فرد اور اس کا بگاڑ۔۔۔ اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ اس میں کسی اصلاح و تغیر کی کوشش نہیں کی گئی اور قصداً یا بلا قصد اس حقیقت سے غفلت ہوتی گئی کہ اصل فساد اور ٹیڑھ فرد میں ہے جس کی بدولت معاشرہ اور حکومت میں بھی ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے۔

لیکن میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مفکرین و مصلحین اس حقیقت کو خوب سمجھ بھی لیتے اور برائیوں کی اس جڑ کو پا بھی لیتے تب بھی اس کا علاج ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مانا کہ ان کے پاس اشاعت علم کے موثر ذرائع ہیں اور یہ دور ہی تعلیم و تربیت کا دور ہے مگر ان کے ہاتھ میں وہ طاقت نہیں ہے جس سے فرد کا رخ شر سے خیر کی طرف اور تخریب سے تعمیر کی طرف موڑ دیں کیونکہ ان کے دماغ و دل روحانیت بلکہ روح کی وقعت ہی سے عاری اور ایمان سے خالی ہیں۔ ان کے پاس دل کو غذا نہ دینے اور اس میں ایمان کا پودا لگانے کا سامان نہیں ہے ان کے ہاتھوں سے وہ چیز لکل چکی ہے جو عبدو معبود کے

درمیان رشتہ جوڑے، اس زندگی کے ساتھ اس زندگی کا تعلق قائم کرے۔ روح و مادہ کے درمیان توافق پیدا کرے اور علم کو اخلاق سے وابستہ کرے، ان کے روحانی، افلاس، اندھی مادیت اور غرور عقل نے تو اب اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ تخریب و تباہی کا آخری تیر بھی اپنے ترکش میں جمع کر لینا چاہتے ہیں جس کی ہلاکت خیزیوں سے انسانیت کا پورا کنبہ مینیت و نابود اور پورا کرہ ارض اجاڑ اور ویران ہو سکتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر اس وقت دنیا کی متحارب طاقتوں نے خوفناک ہتھیاروں کے ساتھ جنگ کا میدان گرم کیا تو یقیناً ان کے یہ نوا بجاو آلات تہذیب و انسانیت کا خاتمہ کر دیں گے۔

بشکریہ :

روزنامہ ”جنگ“ کراچی

۶ ۱۹۹۳

القادر پرنٹنگ پریس فون : ۷۷۲۳۷۳۸

توجہ فرمائیے

① ٹرسٹ کی رقم کا کوئی چندہ وصول نہیں کرتا اور نای کسی کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ البتہ کار خیر اور صدقہ تجارتیہ میں شرکت کے لیے دعوت عام ہے۔ تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ کی کوشش کرنا فی زمانہ فرض عین ہے جو اصحاب خیر حصہ لینا چاہیں براہ راست بذریعہ بک ڈرافٹ اور نئی آرڈر اپنے عطیات روانہ کر سکتے ہیں یا ہمارے اکاؤنٹ نمبر ۷۵۵ حبیب بینک لیڈر سبیلہ مارکیٹ برائچ نشتر روڈ کراچی میں جمع کر سکتے ہیں۔ بیرون کراچی کے چیک میں بک کیشن کا اضافہ ضروری ہے۔

② جو اصحاب ہر ماہ رسائل کے طالب ہوں وہ رکنیت فارم طلب فرمائیں، تفصیلات فارم کے ہمراہ بھیج دی جائیگی بیرون پاکستان بھی رکنیت لی جاسکتی ہے۔

③ یہ رسائل رعایتی قیمت پر حاصل کر کے اپنے حلقہ احباب برادری اور طلباء میں تقسیم کیجئے۔ دین کا علم سیکھنے اور سکھانے کا یہ سہل طریقہ ہے۔ اختلاف مسلک سے دور رہ کر دین کی بنیادی تعلیمات پر پیش کی جاتی ہیں۔

④ اراکین کوماہ بہ ماہ اردو رسائل نئے طبع شدہ رواذ کیے جاتے ہیں، پہلے شائع شدہ رسائل یا انگریزی، سندھی، عربی، فارسی، پشتو، بلوچی اور گجراتی تراجم رعایتی قیمت ادا کر کے طلب کئے جاسکتے ہیں۔ چند رسائل درکار ہوں تو ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگو سکتے ہیں۔ زیادہ تعداد میں ضرورت ہو تو رجسٹرڈ پارسل طلب کیجئے جس کے لیے رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ سے ارسال کیجئے۔ دی پی بھی طلب کیا جاسکتا ہے۔ ڈاک خرچ خسہ دہار کے ذمہ ہوگا۔ فہرست میں رعایتی نرخ فی سیکڑہ درج ہیں لیکن آپ ایک رسالہ بھی اسی قیمت پر طلب کر سکتے ہیں۔ لائبریریوں کیلئے بھی یہ ہی طریقہ کار ہے۔ مفت تقسیم صرف اراکین کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔

⑤ ٹرسٹ تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ یہ صرف تبلیغ و اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہے۔ رعایتی قیمت پر کتب و رسائل کی ترسیل ان حضرات کے لیے ہے جو انھیں فی سبیل اللہ تقسیم کریں اور تبلیغ دین کے لیے کوشاں ہوں یہ طریقہ کار محض خد و تعاون کے جذبہ کے تحت اپنایا گیا ہے۔ آپ اپنے ذوق کے مطابق حصہ لے سکتے ہیں۔ اس اعلان کے ساتھ سابقہ تمام اعلانات منسوخ تصور کئے جائیں۔

صدیقی ٹرسٹ صدیقی فاؤنڈیشن

۲۵۸ کاروان ایٹ سبیلہ چوک کراچی ۷۵۵۵۰